کچھ بھی سہی مگر یہ فراغت کبھی نہ تھی   دل ہے نہ درد دل نہ غم چارہ گر ہے آج

غالب اکیڈمی نئی دہلی کے انچاسویں یوم تاسیس کے موقع پر ایک طرحی مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کا افتتاح پروفیسر شمیم حنفی شیش نرائن سنگھ اور گلزار دہلوی نے شمع روشن کرکے کیا۔ پروفیسر شمیم حنفی نے افتتاحی تقریر میں کہا کہ طرحی مشاعروں کی روایت بہت پرانی ہے۔ غالب اکیڈمی نے اس روایت کو قائم رکھا ہے۔ انھوں نے طرحی مشاعروں کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کسی کو پوچھنے کا اختیار نہیں کہ شاعر کیا کہہ رہا ہے۔ اس مشاعرے میں غالب کے تین مصرعوں (1) آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے (2) ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے (3) گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج ہے۔ میں 28 شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مشاعرے کی صدارت بزرگ شاعر جناب گلزار دہلوی نے کی اور نظامت کے فرائض معین شاداب نے بخوبی ادا کیے۔ منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔

کچھ بھی سہی مگر یہ فراغت کبھی نہ تھی	دل ہے نہ درد دل نہ غم چارہ گر ہے آج	وقار مانوی
کرتا ہے صرف جسم کی ہر وقت پرورش	انسان اپنی روح سے کیوں بے خبر ہے آج	جی آر کنول
کدھر اے ولولۂ دل لیے جا تا ہے مجھے	کون انجان جزیروں میں بلاتا ہے مجھے	نسیم عباسی
بے سایہ بے وقار سیاسی شجر ہے آج	حبِّ وطن کی شرح ہرنگِ دگر ہے آج	ابرار کرت پوری
خود قطرۂ خوں سے ابھرتے ہیں کئی رنگ	ہم سینے پہ یوں نقش ابھارا نہیں کرتے	احمد محفوظ
میں جتنا اجنبی ہوں ترے در کے واسطے	اتنا ہی بے نیاز ترا سنگ در ہے آج	جمیل مانوی
بزم کا ان کی یہ اعجاز نہیں تو کیا ہے؟	رہ کے دلی میں بھی طیبہ نظر آتا مجھے	تابش مہدی
بہتری کے لیے جس نے مری کچھ بھی نہ کیا	سبز باغ ایک نئے روز دکھاتا ہے مجھے	احمد علی برقی اعظمی
کس لیے چاند کا احسان اٹھایا جائے	یعنی رستہ تو یہ جگنو بھی دکھاتا ہے مجھے	معین شاداب
مجنوں! تجھے صحرا کی یہ شہرت ہو مبارک	ہم شہر میں رہ کر بھی تماشا نہیں کرتے	خالد مبشر
شاخ شجر پہ گل ہے نہ کوئی ثمر ہے آج	گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج	متین امروہوی
ہر گام پہ الفت کے جلاتے ہیں دیے ہم	نفرت کا محبت کا اندھیرا نہیں کرتے	اسد رضا
تازہ نہیں ہے پھر بھی یہ تازہ خبر ہے آج	مدت بعد ان سے ملاقات گر ہے آج	عفت زریں
ہم پردہ نشینوں کے طرف دار ہیں پھر بھی	آنکھوں میں حیا رکھتے ہیں پردا نہیں کرتے	ممتا کرن
ہے بہت دیدنی تعمیر مری باہر سے	کوئی اندر مگر توڑتا جاتا ہے مجھے	عرفان وحید
ویسے تو ان کے آنے کا امکان ہی نہیں	لیکن خیال جانبِ دیوار و در ہے آج	محمد انس فیضی
کوئی آواز سکوں بخش سماعت میں نہیں	جو بلاتا ہے وہ مقتل سے بلاتا ہے مجھے	ظفر مرادآبادی
اب تذبذب ہے جو کرنے نہیں دیتا مجھے عشق	ایک خدشہ ہے جو کمزور بناتا ہے مجھے	شکیل جمالی
کرتے ہیں محبت جو خدا سے وہ یقیناً	نفرت تو کسی سے بھی خدارا نہیں کرتے	سمیر دہلوی
یادوں کی دستکیں ہیں نہ رشتوں کا بانکپن	ہوگا کبھی مکان مگر رہگزر ہے آج	شاہد انور
تم خفا ہونے کو حق اپنا سمجھتے ہو مگر	میں بھی کچھ کم تو نہیں روٹھنا آتا ہے مجھے	انا دہلوی
حسن تجلیات کا منظر دگر ہے آج	آنکھو سنبھل کے اٹھنا کوئی بان پر ہے آج	سرفراز احمد فراز
کار عمرانہ میں میکے سے نہیں لا پائی	اس لئے سیج پہ وہ روز جلاتا ہے مجھے	عمرانہ خانم
وہ غمگین ہے جو سینے سے لگاتا ہے مجھے	پھر وہ ہنستا ہے تو ہنس ہنس کے رلاتا ہے مجھے	سیف بابر

آخر میں سکریٹری غالب اکیڈمی نے شعرا و شرکا اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

غالب اکیڈمی میں ادبی ڈرامے کی پیشکش

غالب اکیڈمی نئی دہلی میں مرزا غالب کے ایک سوانچاسویں یوم وفات اور غالب اکیڈمی کے انچاسویں یوم تاسیس کے موقع پر پروفیسر دانش اقبال کا تحریر کردہ ڈرامہ اینٹی نیشنل غالب پیش کیا گیا۔جس سے غالب کی حیات اور شاعری پر تو روشنی پڑتی ہی ہے اس کے ساتھ ہی آج کے سماجی اور معاشرتی زندگی کی کج روی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ڈرامے کا آغاز مرزا غالب پر مختلف الزامات لگا کر عدالت میں پیشی سے ہوتا ہے۔اہم الزام مرزا غالب کے نغموں پر ہوتا ہے۔اس کے لیے عدالت میں ابن مریم ہوا کرے کوئی، شعر پیش کیا جاتا ہے الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس میں دنیا کے سب سے بڑے مذہبی طبقے اور دنیا کے دوسرے سب سے بڑے مذہبی طبقے کی دلآزاری ہوتی ہے عدالت میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس بات پہ مقدمہ دائر ہوسکتا ہے اور اس پہ پابندی لگ سکتی ہے، وکیل اپنی بات رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب پدماوت کو دیکھے بغیر اس پہ مقدمہ قائم ہوسکتا ہے تو غالب کے نغموں پر کیوں نہیں ہوسکتا۔مقدمہ چلتا ہے مرزا غالب کو فریق ثانی بنایا جاتا ہے۔کئی تاریخوں پر مرزا غالب حاضر نہیں ہوتے تو عدالت حکم دیتی ہے کہ اگلی تاریخ پر حاضر نہ ہونے کی صورت میں ایکس پارٹی کر کے فیصلہ کر دیا جائے گا۔اگلی تاریخ پر پکار ہوا تو عدالت کا اردلی خود مرزا غالب کی شکل میں پیش ہوجاتا ہے عدالت میں اس کو مرزا غالب ہونے کا ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے کہ مرزا غالب یہی ہیں۔انھیں بہت سے اشعار سنانے پڑتے ہیں دستخط اور مہر کے نمونے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ عدالت میں پیش ہونے والا شخص مرزا غالب ہی ہے۔ پھر ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ساہوکاروں سے قرض لیا تھا واپس نہیں کیا۔اپنے دفع میں مرزا غالب اپنے بچپن کے حالات پیش کرتے ہیں والد چچا کے انتقال کا ذکر کرتے ہیں خاندانی پنشن کا ذکر کرتے ہیں حالات سے مجبور ہو کر قرض لینا جرم نہیں ہوتا ہے غالب کہتے ہیں آج کل قرض کون نہیں لیتا مکان، گاڑی کے لیے سبھی قرض لیتے ہیں۔میرا پیسہ شہراب مودی، گلزار، جگجیت کے پاس کروڑوں روپیہ بقایا ہے میرا قرض تو ہزاروں میں میری رقم اس میں سے وضع کر کے ہمارے رائلٹی کے پیسے واپس کیئے جائیں۔ان پر بے وفائی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔غالب اپنے اوپر عائد سبھی الزاموں کا اشعار کے ذریعے دفاع کرتے ہیں۔عرضی گزار گواہ کے طور پر استاد ذوق کو پیش کرتا ہے۔استاد ذوق بھی غالب کے معترف ثابت ہوتے ہیں۔سارے ثبوت اور گواہ کے پیش نظر غالب باعزت بری ہوجاتے ہیں۔جج صاحب کی خدمت میں آم کی ٹوکری بھیجی جاتی ہے ٹوکری غالب کے پاس آتی ہے غالب اس میں دیکھتے ہیں رقم ہے۔غالب خوشی خوشی گھر واپس ہوتے ہیں اس کے ساتھ ڈرامہ ختم ہوجاتا ہے۔غالب کا کردار سور بھ نے ادا کیا اس کے ہدایت کار امت بجاج ہیں۔آڈیٹوریم با ذوق سامعین سے پر تھا۔

ودیا شاہ نے کلام غالب سے سامعین کو محظوظ کیا

غالب اکیڈمی، نئی دہلی میں غالب کے 149 ویں یوم وفات اور غالب اکیڈمی کے 49 ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے محفل کلام غالب کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں ودیا شاہ نے غالب کی غزلیں موسیقی کے ساتھ پیش کیں۔ اس موقع پر بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے۔

غالب ہمارے پہلے عالمی شاعر ہیں (پروفیسر شمیم حنفی)

غالب کے گنجینۂ معنی کے طلسم کو توڑنا ابھی باقی ہے (پروفیسر قاضی جمال حسین)

گزشتہ روز غالب اکیڈمی نئی دہلی میں غالب کے مطالعے کی اہمیت پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں جامعہ، جے این یو، دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات اور ریسرچ اسکالرز نے حصہ لیا۔ اس موقع پر پروفیسر شمیم حنفی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں دیکھنا ہے کہ غالب کی شاعری ہمارے عہد کو نئی بنیاد فراہم کر سکتی ہے یا نہیں۔ نئی نثر کی تعمیر میں غالب کی نثر بنیاد بن سکتی ہے کہ نہیں۔ آج کے دور میں غالب کے نام پر بہت سے ادارے قائم ہیں کالجوں سڑکوں کے نام غالب سے منسوب ہیں۔ غالب ہر جگہ موجود ہیں ان کی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی فارسی غزل بے مثال ہے لیکن اردو شاعری کی اپنی الگ حیثیت قائم ہے۔ پورے انبار میں صرف غالب ہے جس کے سہارے زندگی گزاری جاسکتی ہے، غالب عجیب وغریب شاعر ہے غالب صرف فارسی کے شاعر ہوتے تو کہیں کے نہ ہوتے ان کی شاعری کے ترجمے ہر زبان مین ہوئے ہیں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو غالب کے کلام سے خالی ہو۔ غالب ہمارے پہلے عالمی شاعر ہیں۔ غالب نے اردو شاعری اور نثر کو اپنے سرمائے ادب سے مستغنی کر دیا۔ اس موقع پر پروفیسر قاضی جمال حسین نے کہا کہ غالب کے یہاں جو چیز سب سے اہم ہے وہ ان کی زبان ہے غالب اس لیے پڑھے جا رہے ہیں کہ ان کی تفسیر ابھی باقی ہے ان کے گنجینۂ معنی کا طلسم ابھی کھلا نہیں ہے۔ کلام غالب ابھی فرسودہ نہیں ہوا ہے۔ معنی دریافت ہونا ابھی باقی ہے۔ غالب عام انسانوں کی طرح بات کرتا ہے وہ انسانی سطح پر آدمیت کی سطح پر بات کرتا ہے۔ ڈاکٹر علی جاوید نے اپنے مقالے میں غالب اور سیکولرزم میں کہا کہ غالب رجحان ساز شاعر ہیں ان کی ندرت سوال یا شکایت قائم کرنے سے ہوتی ہے اردو شاعر کا وجود مزاحمت پر قائم ہے صوفیا نے دلوں میں گھر کر کے کام کرنے کی کوشش کی۔ 1851 میں لندن میں سیکولرزم کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ قدیم ہندوستان کا کلیدی فلسفہ سماجی ہم آہنگی ہے غالب بھی اس فلسفے پر قائم ہیں ان کا سکولرزم کا نظریہ آج کے سیکولرزم سے زیادہ وسیع تھا۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی اور پروفیسر علیم اشرف نے غالب کی فارسی شاعری کے حوالے سے مقالے پیش کئے اور اس بات پر زور دیا کہ غالب کی عظمت کی بات جب کی جائے گی تو فارسی شاعری کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ غالب کی شاعری اور فکر کے اہم پہلو پر جب بات کی جاتی ہے تو فارسی کے بغیر ہم اپنی بات مکمل نہیں کر سکتے۔ پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی نے غالب ہندوستانیت پر اپنا پرچہ پڑھتے ہوئے کہا کہ مثنوی چراغ دیر ہو یا دستنبو ہو یا مکاتیب ہوں یا اردو فارسی شاعری ہو ان کی وطن پرستی، باہمی اتحاد و رواداری ہندوستانیت اور حب الوطنی اس دور کے تقاضوں کے مطابق ان پر صادق آتی ہے۔

پروفیسر طارق سعید نے غالب کی ہمہ جہت شخصیت اور شاعری کو اپنے مضمون میں بہت دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ احمد امتیاز نے اپنے مقالے خطوط غالب کے فکری پہلو میں کہا کہ غالب کے خطوط کی اہمیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان میں قاری کے لیے ادبی مواد کثرت سے موجود ہوتے ہیں۔ سہیل انجم نے اپنے مقالے غالب کی مقبولیت کے اسباب میں کہا کہ غالب کو موجودہ دور میں اس لیے مقبولیت ملی کی ان پر فلم اور سیریل بنائے گئے ان کے اشعار مقررین نے اپنی تقریروں میں کثرت سے استعمال کئے۔ پروفیسر معظم الدین نے کلام غالب سے ہمارے تقاضے کے عنوان سے مقالہ پیش کیا ظفر محمود خطوط غالب اور عہد حاضر کی مکتوب نگاری کے عنوان سے مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔ ضیا اللہ انور نے اپنے مقالے غالب کی تہذیبی معنویت اور اس کے عصری انسلاکات پر اپنے پرچے میں کہا کہ غالب نے اپنی شاعری میں ہندایرانی تہذیب کی جو امیجری پیش کی ہے اس کی تہہ میں اپنی تہذیب کو زندہ رکھنے کا خیال ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ شاہدہ فاطمہ نے مستقبل میں کلام غالب کی معنویت کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ حنا آفرین نے اپنے پرچے عصر حاضر میں غالب کی شاعری کی معنویت میں کہا کہ موجودہ دور کا انسان مختلف قسم کے تجربات کرتا ہے وہ اپنے تمام واقعات وتجربات کا عکس غالب کی شاعری میں تلاش کرتا ہے۔ تالیف حیدر نے اپنے مقالے غالب اور موجودہ عہد میں کہا کہ غالب اردو کا بڑا شاعر تھا لیکن آج وہ اردو کا سب سے زیادہ مشہور شاعر ہے۔ عمران عاکف خان نے اپنے مقالے عصر حاضر میں نغمات غالب کی اہمیت کے عنوان سے اپنے مقالے میں کہا کہ غالب کے نغمات اور ان کی زندگی ہمیں مصائب میں الجھ کر مسکرانے کی تلقین کرتی ہے۔ سیمینار کے دو اجلاس میں سولہ مقالے پڑھے گئے پہلے اجلاس کی صدارت جی آر کنول اور نظامت شاداب تبسم نے کی دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر معین جینا بڑے اور قاضی جمال حسین نے کی اور نظامت ترنم جہاں نے کی۔ جی آر کنول نے اپنی صدارتی تقریر میں سیمینار میں پڑھے گئے مقالوں کی ستائش کی اور اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہا کہ ہمیں غم کے وقت غالب کے شعر یاد آتے ہیں چاہے کسی کی موت کا رنج ہو یا کوئی اور غم۔ پروفیسر جینا بڑے نے دوسرت اجلاس میں پڑھے گئے مقالوں پر اظہار خیال کیا۔ آخر میں سکریٹری غالب اکیڈمی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔